© rasailojaraid.com

انقلابی حکمتِ عملی

بنیادی اصول اور تقاضے

خرم مراد

اسلام نے قرآن و حدیث کی روشنی میں' مختلف حالات میں' اسلامی تحریک کو درپیش چیلنج کا سامنا کرنے کے لیے مختلف اصولوں کا تعین کیا ہے' جن کی روشنی میں ایک موثر حکمت عملی بنائی جا سکتی ہے۔ کوئی بھی تحریک جو فریضہ اقامت دین کی ادائیگی کے لیے اٹھے' اسے اپنی حکمت عملی حسب ذیل اصولوں کی روشنی میں مرتب کرنا ہو گی:

جبر کے نظام کی نفی: حکمت عملی کا پہلا اصول یہ ہے کہ کوئی ایسا سیاسی' معاشی یا معاشرتی نظام جس میں آدمی جبر کے شکنجے کے اندر کس جائے' اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ وہ تو گھر کے اندر کوئی ایسا نظام قائم کرنے کی اجازت نہیں دیتا جس میں والدین' بچوں پر جبر کریں یا بچے والدین پر۔ کوئی ماں یا کوئی باپ' بچوں کو ضرر پہنچانے والے احکام نہیں دے سکتے۔ سب سے بڑا ضرر تو یہ ہے کہ ان کے دین کے اندر خلل آئے اور وہ اللہ کی راہ پر چلنے سے باز رہیں۔ اسی طرح اسلام معیشت' سیاست اور حکومت میں' اس بات کو بالکل برداشت نہیں کرتا کہ انسان کسی طریقے سے بھی جبر کے شکنجے میں کسا جائے' اس کے اوپر کوئی آمریت مسلط کی جائے اور کوئی شخص لوگوں کو ڈنڈے کے زور سے اپنی مرضی پر چلائے۔ اسلام اسے گناہ عظیم تصور کرتا ہے۔ لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ (البقرہ ۲:۲۵۶)' اس اصول کی بنیاد ہے۔

ترجیحات کے تعین کا مسئلہ: دوسرا اصول یہ ہے کہ جب انسان اس دنیا میں عمل کی آزمایش کے لیے بھیجا گیا ہے تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اچھا یا برا عمل کیا ہے؟ نیکی یا بدی کیا ہے اور نیکی یا بدی کے درمیان انسان کس طرح فرق کرے؟ بہ ظاہر تو یہ بڑا آسان مسئلہ ہے اور زندگی کے بہت سے حالات اور مواقع میں واقعی بڑا آسان ہے۔ لیکن "بر" (نیکی) اور "اثم" (بدی) کے نظام کو سمجھنا' کوئی بہت سادہ اور آسان بات بھی نہیں ہے۔ چونکہ انسان عمل کی آزمایش کے لیے اس دنیا میں آیا ہے' پس اس کے لیے یہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سمجھنا ضروری ہے کہ نیکی اور بدی کا نظام کن اصولوں پر قائم ہے۔

قرآن مجید نے نیکی اور بدی کے نظام کو جن اصولوں پر قائم کیا ہے' اور اس کے اندر جو حکمت ملحوظ رکھی ہے' اس میں بنیادی بات یہ ہے کہ جس کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور مرضی ہو' وہ نیکی ہے اور جس کام سے وہ ناراض ہوتا ہو' وہ بدی ہے۔

یہ ایک واضح اور عمومی اصول ہے۔ لیکن زندگی کے اندر بے شمار ایسے مواقع آتے ہیں' جہاں انسان کو نیکی اور بدی کے انتخاب میں ترجیحات کا مسئلہ پیش آتا ہے۔ مثلاً آدمی مر رہا ہے اور دوسری طرف شراب رکھی ہوئی ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے' ایسی صورت حال میں کیا کیا جائے؟ یا آدمی بیمار ہے' وضو کرے یا نہ کرے؟ وضو کرنا بہ ظاہر ضروری ہے' نیکی ہے لیکن کیا وضو کے بغیر نماز ہو جائے گی؟ قرآن نے کہا' ہاں تیمم سے ہو جائے گی۔ گویا ترجیحات کا یہ مسئلہ زندگی میں کئی مرتبہ پیش آتا ہے۔ کچھ معاملات میں قرآن نے خود یہ وضاحت کر دی ہے کہ کون کون سے حالات اور مواقع ہیں' جن میں احکام میں تبدیلی آسکتی ہے مگر کچھ معاملات میں وضاحت نہیں کی گئی۔ اس طرح ایک ہی بات نیکی بھی بن سکتی ہے اور بدی بھی۔ مثلاً نماز پڑھنا نیکی کا کام ہے لیکن اگر آدمی یہ کہے کہ نہیں' دن میں چھ نمازیں فرض ہیں' چھٹی نماز پڑھنا بھی ضروری ہے تو یہ نماز نیکی کا کام نہیں بلکہ بدی کا کام ہو گا۔ لہٰذا نیکی اور بدی کا تعین محض ظاہری شکل سے نہیں ہو سکتا' بلکہ اس کے لیے بڑی حکمت اور سمجھ بوجھ کی ضرورت ہے۔

تحریک اسلامی کو انفرادی' اجتماعی اور ملکی سطح پر' کن حالات میں' کون کون سے سیاسی' معاشی اور معاشرتی اقدامات کرنے ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہو سکے' یہاں بھی ترجیحات کا مسئلہ پیش آتا ہے۔

خون بہانا بہ ظاہر بہت برا کام ہے۔ اور اللہ کے نزدیک اتنا ناپسندیدہ کہ فرمایا گیا کہ جس نے ایک آدمی کو قتل کیا' گویا اس نے سب انسانوں کو قتل کیا۔ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا (المائدہ ۵:۳۲)۔ لیکن نظام حق کو قائم کرنے کے لیے اگر کسی مرحلے پر واقعی تلوار نکالنی پڑے تو اس سے بڑا نیکی کا کام بھی کوئی نہیں ہے۔ اس وقت یہ عظیم ترین نیکی بن جاتی ہے۔ یہ حالات اور مواقع کے لحاظ سے واقع ہونے والی تبدیلیاں ہیں اور جب تک آدمی اس حکمت کو پوری طرح نہ سمجھے' اس وقت تک وہ حسن عمل کی آزمایش میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔

دنیا میں نیکی اور بدی یا "بر" اور "اثم" کا نظام نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر شاہ ولی اللہؒ نے اپنی کتاب الحجۃ اللہ البالغہ میں کئی ابواب اس نظام کی توضیح و اہمیت پر صرف کیے ہیں۔ یہ دراصل پورے دین کی بنیاد ہے۔ اس کے اندر سب سے پہلا اور اہم اصول ترجیحات کا نظام ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید سے ثابت ہے کہ ساری نیکیاں اور ساری برائیاں ایک ہی درجے کی نیکیاں اور برائیاں نہیں ہوتیں۔ اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰھَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰہِ (التوبة ۹: ۱۹) کیا تم لوگوں نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی مجاوری کرنے کو اس شخص کے کام کے برابر ٹھیرا لیا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور روز آخر پر اور جس نے جانفشانی کی اللہ کی راہ میں؟ اللہ کے نزدیک تو یہ دونوں برابر نہیں ہیں۔ یعنی نیکیوں اور برائیوں کے درجات میں اللہ تعالیٰ نے خود فرق رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نیکیوں اور برائیوں کی وضاحت کرتے ہوئے ان کے مختلف درجات قائم فرمائے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ ہاں، اگرچہ وہ نماز پڑھتا ہو، اور اگرچہ وہ روزہ رکھتا ہو، اور اگرچہ وہ مسلمان ہونے کا زعم کرتا ہو، وہ منافق ہے اگر وہ یہ تین کام کرے: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، وعدہ کرے تو اس کو توڑ دے، اور اگر کوئی امانت اس کے سپرد کی جائے تو اس میں خیانت کرے---- پس عمل کرنے کے باوجود بندوں کے حقوق کے آگے نماز، صدقات اور روزے جیسی چیزیں محو ہو جاتی ہیں۔

مولانا امین احسن اصلاحیؒ کے الفاظ میں، نیکیوں کا بھی ایک شجرۂ نسب ہے۔ بعض نیکیاں ماں باپ کی حیثیت رکھتی ہیں اور بعض ان کے بچوں کی۔ بعض کی حیثیت بیج کی ہے اور بعض کی تنے کی۔ بعض شاخیں ہیں اور بعض پھول پتے جو تزئین و آرایش کے لیے لگا دیے جاتے ہیں۔ لوگوں کی نگاہ اسی زینت کے اندر الجھ کر رہ جاتی ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ درخت کے اندر تو صرف پھول اور پتے ہی ہیں۔ گویا اگر پھول اور پتے نہ رہیں تو دین کا بہت بڑا نقصان ہو جائے گا۔ مگر دین کا نقصان، ان پھول پتوں کا نہ رہنا نہیں ہے، بلکہ جڑ کا غائب ہو جانا، ایمان کا نہ ہونا اور تنے کا نہ ہونا ہے، کہ جس سے اعمال صالحہ کی شاخیں پھوٹتی ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کی مثال ایک درخت سے دی ہے۔ درخت کے اندر سب چیزیں یکساں اہمیت کی نہیں ہوتیں۔ اصل چیز تو بیج ہے، کلمہ طیبہ کا بیج، جو کہ پورے درخت کی بنیاد ہوتا ہے۔ درخت کا تنا وہ بنیاد ہے جس پر پورا دین قائم ہوتا ہے۔ پھر بڑی بڑی شاخیں ہوتی ہیں اور اس کے بعد وہ سارے پھول اور پتے ہوتے ہیں جو بہ ظاہر نظر آتے ہیں لیکن اصل تو جڑ، بیج اور تنا ہی ہے۔ اگر جڑ کھوکھلی ہو جائے تو اوپر کے پھول اور پتوں (ظاہری اعمال) کی حیثیت حقیقی کی دین نہیں ہے۔

اس طرح سے دین نے ترجیحات کا ایک پورا نظام قائم کیا ہے۔

اگر آپ بدی کے حوالے سے یہ جاننا چاہیں کہ وہ کون سی برائیاں ہیں جو قرآن مجید کی نظر میں سب سے اہم ہیں، تو آپ کو بڑا تعجب ہوگا کہ آج ۱۴ سو سال بعد امت جن چیزوں کو بڑی شدومد سے برائی تصور کرتی ہے، ان کا قرآن مجید میں ذکر ہی نہیں ہے، یا اگر ہے تو برائے نام۔ اس کے مقابلے میں وہ برائیاں جن کو امت بہت ٹھنڈے پیٹوں برداشت کرتی ہے بلکہ واہ واہ کرتی ہے اور ان کی تعریف کرتی ہے، قرآن مجید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی رو سے وہ بہت عظیم الشان برائیاں اور بڑے جرائم ہیں۔ مثلاً قرآن مجید جھوٹ اور منافقت کو سب سے بڑا جرم بتاتا ہے۔ اسی طرح عہد کو توڑنے، رشتوں کو کاٹنے، زمین میں فساد برپا کرنے اور جبر کو عظیم الشان برائیاں قرار دیتا ہے۔

انسان آزاد اور خود مختار ہے۔ اس کی یہ آزادی اور خود مختاری کسی سیاسی، معاشی یا معاشرتی مقصد کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ آزادی اس کے دین کے لیے، اللہ کے امتحان میں کامیاب ہونے کے لیے، اور جنت و دوزخ میں سے کسی ایک راستے پر چلنے کے لیے ضروری ہے۔ اسی لیے قرآن مجید نے شدت سے اس پر تنقید کی ہے، کہ آدمی زمین میں اپنے آپ کو سب سے بڑا تصور کرے، تکبر اور غلو کے راستے پر چلے، لوگوں پر اپنی مرضی مسلط کرے اور فساد برپا کرے۔

فساد کی تعریف کیا ہے اور بگاڑ کیا ہے؟

قرآن فرعون کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ: اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِی الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَھْلَھَا شِیَعًا یَّسْتَضْعِفُ طَآئِفَۃً مِّنْھُمْ یُذَبِّحُ اَبْنَآءَھُمْ وَیَسْتَحْیٖ نِسَآءَھُمْ ط اِنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ○ (القصص ۲۸: ۴) واقعہ یہ ہے کہ فرعون نے زمین میں سرکشی کی اور اس کے باشندوں کو گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ان میں سے ایک گروہ کو وہ ذلیل کرتا تھا، اس کے لڑکوں کو قتل کرتا اور اس کی لڑکیوں کو جیتا رہنے دیتا تھا۔ فی الواقع وہ مفسد لوگوں میں سے تھا۔ یعنی زندگی کے اندر بگاڑ یا فساد یہ ہے کہ آدمی کھیتی اور نسل کو برباد کرے اور زمین میں فساد پھیلانے کے لیے حکومت کرے۔ فساد اور بگاڑ کی اصل تعریف یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو دوسروں پر مسلط کرے اور کہے کہ صرف میری مرضی قانون ہے، جو میں چاہوں گا وہ ہو گا اور لوگوں کو وہی بات ماننا پڑے گی۔ جب فرعون نے کہا تھا کہ انا ربکم الاعلٰی○ (النزعٰت ۷۹: ۲۴) میں تمہارا سب سے بڑا رب ہوں، تو اس نے اپنی مرضی اور قانون لوگوں پر مسلط کرنا چاہا تھا۔ اس نے یہ مطالبہ نہیں کیا تھا کہ لوگ اس کے آگے لازماً سجدہ کریں اور اس کی پرستش کریں۔ اس کا مطالبہ صرف یہ تھا کہ میری مرضی ہی قانون ہو گی۔ ملک کے باشندوں کی قسمت کا فیصلہ میرے قانون اور حکم کے مطابق ہو گا، اس لیے کہ میں ان کا رب، آقا اور سب سے بڑا حکمران ہوں۔ ایسے ہی لوگوں کو قرآن فساد کرنے والا کہتا ہے جو لوگوں کی آزادی اور خود مختاری چھیننے کی کوشش کرتے ہیں۔ "احبار" (یہودیوں کے پیشوا، عالم یا زاہد) اور "رہبان" (عیسائیوں کے راہب یا تارک الدنیا) کا رب بن جانے کا تذکرہ بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔

قرآن مجید غلو اور استکبار کو بھی اسی بنا پر عظیم جرائم میں شمار کرتا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ جس کے اندر رائی برابر بھی تکبر پایا جائے گا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا، یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے۔ اس توضیح کے ذریعے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کہ جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہو اور بڑا سمجھ کر لوگوں کی گردنوں کے اوپر اپنے آپ کو مسلط کرے' اس کا جنت میں داخلہ ایسے ہی ناممکن ہے جس طرح سوئی کے ناکے میں سے اونٹ کا گزرنا۔

اسی طرح دوسری نیکیاں اور برائیاں ہیں' جن کو قرآن نے تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ لہٰذا' نیکی اور بدی کے درجات میں اس فرق کی بنا پر ترجیحات کے نظام کی اہمیت مسلمہ ہے۔ اگر ترجیحات کا یہ نظام بگڑ جائے اور درہم برہم ہو جائے تو پھر دین کا پورا نظام بگڑ سکتا ہے اور درہم برہم ہو سکتا ہے۔ جب دین کو ماننے والی کوئی قوم ترجیحات کے اس نظام کو ضائع کر دیتی ہے تو اس کے بعد وہ دین کو بھی ضائع کر دیتی ہے۔ پھر زوال اور ہلاکت اس کا مقدر ہو جاتا ہے۔

اس ضمن میں بخاری شریف کے اندر مشہور واقعہ آتا ہے' جس سے ترجیحات کے اس نظام کی اہمیت بہ خوبی اجاگر ہو جاتی ہے۔ یہ بات روز مرہ کے مشاہدے میں ہے کہ عام طور پر نمازی جس جگہ کھڑے ہو کر فرض ادا کرتے ہیں' وہاں سے تھوڑا سا ہٹ کر سنت اور نفل پڑھتے ہیں۔ اس عمل کی بنیاد کیا ہے؟ یہ جاننا ضروری ہے۔ اس میں حکمت کا ایک نہایت اہم اصول پنہاں ہے۔

مسجد نبویؐ میں ایک دفعہ لوگوں نے فرض نماز ادا کی اور جہاں فرض پڑھے گئے تھے وہیں کھڑے ہو کر سنت اور نفل پڑھنا شروع کر دیے۔ یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ نے کہا کہ پچھلی قومیں اسی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئیں۔ عمرؓ ابن خطاب مزاج شناس رسولؐ تھے اور حکمت و فراست کے مالک تھے۔ انھوں نے بغیر اس کے کہ ان پر کوئی وحی اترتی' یہ بات کہی کہ پچھلی قومیں اسی عمل کی وجہ سے ہلاک ہو گئیں۔ حضورؐ نے فرمایا: "عمرؓ تم نے بڑی صحیح بات کہی"۔ حضرت عمرؓ کا یہ قول نہایت اہمیت کا حامل ہے جس کی تائید نبی کریمؐ نے بھی فرمائی۔ میں نے اس پر غور کیا کہ آخر اس کے اندر کیا راز اور مصلحت پنہاں ہے۔ بہت عرصے بعد میری سمجھ میں یہ آیا کہ دراصل فرض' سنت اور نفل کا اپنا اپنا مقام ہے' اگر ترجیحات کا یہ نظام علامتی اور عملی سطح پر خلط ملط ہو جائے تو پھر امت ہلاکت کی طرف جاتی ہے۔ اور یہی ہمارے ساتھ ہوا۔

مثال کے طور پر' جہاد جو چوٹی کا عمل تھا' وہ سب سے پیچھے چلا گیا اور کسی گوشے میں بیٹھ کر ذکر کرنا جو جنت کی کیاریوں میں سے کچھ پودے چننے کا کام تھا' سب سے اعلیٰ عمل ہو گیا۔ لوگ ذکر و فکر میں مست ہو گئے' خانقاہی مزاج میں پختہ تر ہوتے چلے گئے اور امت اپنے مقاصد سے غافل ہوتی چلی گئی۔ جو مشن فرض کے طور پر دیا گیا تھا وہ پس پشت ڈال دیا گیا' اور جو سنت اور نوافل تھے یعنی درخت کے پتے' پھول اور آرایشیں' لوگ انھی کے ہو کر رہ گئے۔ سب توجہ اسی پر لگ گئی اور اسے اہم ترین چیز تصور کیا جانے لگا۔ اسی لیے حضرت عمرؓ نے اس عمل کو قوموں کی ہلاکت و بربادی کے مترادف قرار دیا تھا' کہ انھوں نے اپنے اصل سرمایے کو ضائع کر دیا' ترجیحات کے نظام کو بدل کر رکھ دیا اور یوں تباہی و بربادی ان کا مقدر ہو گئی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن مجید نے بنی اسرائیل کا تذکرہ کرتے ہوئے اس پہلو پر متعدد مقامات پر توجہ دلائی ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا مشہور جملہ ہے کہ تم مچھر چھانتے ہو اور اونٹ نگل جاتے ہو۔ یعنی بڑے بڑے جرائم کا تو تم کھلم کھلا ارتکاب کرتے ہو اور انھیں خاطر میں نہیں لاتے' جب کہ معمولی معمولی باتوں کو اہمیت دیتے ہو۔

کوفہ کا مشہور واقعہ ہے کہ وہاں کے لوگ کسی فقیہہ کے پاس پہنچے اور کہا کہ: نماز کے دوران اگر مچھر مر جائے اور اس کا خون نمازی کے کپڑوں کو لگ جائے تو کیا نماز ہو گی یا نہیں؟ انھوں نے کہا: سبحان اللہ! کربلا میں رسولؐ کے نواسے کو شہید کرتے ہوئے یہ نہیں پوچھا کہ اس کے خون کے بعد نماز ہو گی یا نہیں' لیکن مچھر کے خون کے بارے میں تمھیں فکر ہے کہ اگر کپڑوں پر لگ گیا تو آیا نماز ہو گی یا نہیں!--- یہ ترجیحات کی ترتیب کو بدل دینے' نظام ترجیحات کو الٹ پلٹ دینے اور ضائع کر دینے ہی کا نتیجہ ہے کہ دین کا پورا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔

نیکی اور بدی کا صحیح تصور: قرآن مجید میں ایک اصول یہ بیان کیا گیا ہے کہ اطاعت لازمی و ناگزیر ہے۔ یعنی دین کے جتنے بھی ظاہری احکام ہیں' ان سب کی اطاعت لازم ہے۔ اس میں کوئی عذر یا تاویل برداشت نہیں ہو سکتی۔ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ نماز پڑھنے سے کیا ہوتا ہے' میں تو بندوں کی خدمت کرتا ہوں' اللہ کو ویسے ہی یاد کر لیتا ہوں۔ مگر اس کے ساتھ ہی ساتھ اس بات کی تصریح بھی کر دی گئی ہے' کہ اصل نیکی ظواہر میں نہیں' بلکہ روح و باطن میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم میں جہاں قصاص' وراثت' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' جہاد اور طلاق و نکاح کے احکام بیان کیے گئے ہیں وہاں نیکی کا تصور بیان کرتے ہوئے یہ فرمایا گیا ہے کہ: لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ ج وَاٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَابْنَ السَّبِیْلِ لا وَالسَّآئِلِیْنَ وَفِی الرِّقَابِ ج وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ ج وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عٰھَدُوْا ج وَالصّٰبِرِیْنَ فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا ط وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ○ (البقرہ ۲: ۱۷۷) نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق کی طرف کر لیے یا مغرب کی طرف' بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ کو اور یوم آخر اور ملائکہ کو اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتے داروں اور یتیموں پر' مسکینوں اور مسافروں پر' مدد کے لیے ہاتھ پھیلانے والوں پر اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے' نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے۔ اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے وفا کریں' اور تنگی و مصیبت کے وقت میں اور حق و باطل کی جنگ میں صبر کریں۔ یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔ یعنی اللہ کے نزدیک بس یہی لوگ اپنے ایمان کے دعوے میں سچے ہیں' نہ کہ وہ جو کعبے کی طرف منہ کر کے ہاتھ باندھ کر کھڑے ہو گئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کفار قریش کا عقیدہ تھا کہ گھر کے پیچھے سے آنا چاہیے۔ قرآن نے کہا کہ نیکی یہ نہیں ہے کہ گھر کے آگے سے آؤ یا پیچھے سے بلکہ تقویٰ تو کچھ اور ہی چیز ہے۔ اسی طرح فرمایا: لَنۡ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوۡمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰـكِنۡ يَّنَالُهُ التَّقۡوٰى مِنۡكُمۡ (الحج ۲۲ : ۳۷) یعنی تم جو قربانی کرتے ہو اللہ تعالیٰ کو اس کا گوشت اور خون نہیں پہنچتا بلکہ تمھارے دلوں کے اندر جو نیت اور تقویٰ ہے' وہ قبول فرماتا ہے۔ قرآن نے اس بات کی وضاحت بھی کی ہے کہ اصل چیز نیت اور روح ہے۔ وہی کام قبول ہوں گے جو اللہ کی رضا کے لیے ہوں گے اور جو کام اللہ کی رضا کے لیے نہیں ہوں گے وہ قبول نہیں ہوں گے' بہ ظاہر شکل و صورت کچھ بھی ہو۔

کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ اگر آدمی ویسے ہی روح یا روحانی تزکیہ حاصل کر لے تو پھر اعمال کی کیا ضرورت ہے؟ ذرا مثال سے سمجھیے: پانی محفوظ رکھنے کے لیے گلاس یا برتن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ گلاس کی کیا ضرورت ہے' ہم ویسے ہی پانی رکھ لیں گے۔ یہ بات ناقابل عمل ہو گی' اس لیے کہ پانی بغیر گلاس یا کسی برتن کے نہیں رکھا جا سکتا۔ اسی طرح روح کو تر و تازہ رکھنے کے لیے نماز' زکوٰۃ اور اعمال کی ضرورت ہوتی ہے۔ یقیناً پانی کے لیے گلاس ضروری ہے مگر جو خالی گلاس لے کر بجاتا پھرے کہ اسی سے میری پیاس بجھ جائے گی' تو اسے آپ کیا کہیں گے؟ جس طرح گلاس کے اندر پانی ہونا چاہیے' اسی طرح اعمال کے اندر روح ہونی چاہیے اور ان کے پیچھے نیت' تقویٰ اور رضائے الٰہی کی طلب کا جذبہ کارفرما ہونا چاہیے۔ یہ وہ چیزیں ہیں' جو اعمال میں وزن اور قدر و قیمت پیدا کرتی ہیں۔

اعمال کی قدر و قیمت نیت سے متعین ہوتی ہے۔ اسی بات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نبی کریمؐ نے فرمایا: اِنَّمَا الۡاَعۡمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِامۡرِئٍ مَا نَوٰى (متفق علیه) اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر آدمی کے لیے وہی ہے جس کی وہ نیت کرے۔ نیت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اگر ہجرت اللہ اور اس کے رسولؐ کے لیے ہو گی تو وہ اللہ اور رسولؐ کے لیے شمار ہو گی اور اگر کسی عورت یا دنیاوی غرض کے لیے ہو گی تو وہ اسی غرض کے لیے شمار ہو گی۔ جہاد جیسا چوٹی کا عمل اگر قومیت' عصبیت' حمیت یا داد و شجاعت وصول کرنے کے لیے یا محض مہم جوئی کی نیت سے ہو گا تو اللہ کے ہاں جہاد شمار نہ ہو گا۔

قرآن مجید نے اس بات کو واضح کر دیا ہے' کہ قیامت کے روز اعمال کی ظاہری شکل و صورت کا اعتبار نہیں ہو گا' بلکہ یہ دیکھا جائے گا کہ اس کے پیچھے کیا نیت اور روح کارفرما تھی۔ اعمال اگر روح سے خالی اور بے جان ہوں گے' تو وہ کام نہیں آئیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اعمال میں روح پیدا کرنے کی کوشش کرنا آدمی پر فرض ہے۔ یہ مسئلہ کیفیت کا نہیں ہے' بلکہ نیت کا ہے۔ نیت کا خالص ہونا ضروری ہے' اس لیے کہ اعمال کی قدر و قیمت کا تعین نیت کی بنیاد پر ہی ہو گا۔ یہ وہ اہم اصول ہے جسے قرآن مجید نے بڑی شدت کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساتھ بیان کیا ہے۔

تحریک اسلامی کی حکمت عملی میں، معاملات کا تعین کرتے ہوئے، نیکی اور بدی کے اس اصول کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے۔ پھر سیاسی کام اور غیر سیاسی کام کی بحث بھی سر نہ اٹھا سکے گی، کہ جو کام بھی اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی کے لیے ہو گا، وہ قرآن و سنت کے دائرے میں شمار ہو گا اور نیکی ہو گا، چاہے وہ سیاسی ہو یا غیر سیاسی!

جائز اور ناجائز کا معیار : آج امت بڑی حد تک اس حقیقت سے غافل ہو چکی ہے، کہ جتنا بڑا جرم اور گناہ یہ ہے کہ آدمی ناجائز کام کو جائز اور حرام کو حلال قرار دے، اتنا ہی بڑا جرم یہ ہے کہ آدمی جائز کام کو ناجائز اور حلال کو حرام قرار دے۔ اس بات کو ذرا غور سے سمجھنے کی ضرورت ہے۔ یہ بحث بہت کی جاتی ہے کہ اللہ نے فلاں فلاں چیزوں کو کیوں حرام کیا، اس کی کیا وجہ تھی؟ مگر جب بغیر کسی دلیل کے یہ کہا جاتا ہے کہ ہمیں یہ یہ کام نہیں کرنے چاہییں، تو پھر یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کو کہاں تک منع کیا ہے۔ یہ جاننا نہایت ضروری ہے۔

اللہ تعالیٰ نے زندگی کا دائرہ بڑا وسیع رکھا ہے۔ اس کے اندر اس نے خود چھوٹ دی ہے۔

حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزوں کو حرام کیا ہے، اور جس کو حرام کیا ہے، تم اس کے خلاف نہ جاؤ۔ بعض چیزوں کی اس نے حدود متعین کر دی ہیں، ان کو مت توڑو اور بعض چیزوں کے لیے وہ خاموش رہا ہے۔ اور وہ خاموش اس لیے نہیں رہا کہ نعوذ باللہ وہ بھول گیا، بلکہ وہ تمھارے اوپر رحمت و شفقت کے لحاظ سے خاموش رہا ہے۔ اس لیے ان چیزوں کے پیچھے مت پڑو۔ اللہ کے رسولؐ نے فرمایا کہ کسی نے سوال کر کے کسی ایسی چیز کو حرام کر دیا جو امت کے لیے حلال تھی، تو اس کے سر بہت بڑا گناہ ہے۔ اس نے امت کو ہمیشہ کے لیے ایک مشقت میں مبتلا کر دیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے احکامات بیان کرتے ہوئے اسی بات کو پیش نظر رکھا ہے۔ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا (البقرہ ۲: ۱۶۸)۔ یعنی زمین میں جو حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں وہ سب تمھارے لیے حلال ہیں۔ تم ان کو جس طرح چاہو کھاؤ پیو، تمھیں اس کی اجازت ہے اور حلال و طیب چیزوں کو کوئی حرام نہیں کر سکتا۔ چنانچہ فرمایا: کون ہے جس نے اللہ کی زینت کو حرام کر دیا جو اس نے انسان کے لیے اتاری ہے۔ نبیؐ نے فرمایا کہ جو اللہ نے تمھارے لیے حلال کیا ہے اس کو حرام کیوں کرتے ہو؟ جو طیبات اللہ نے تمھارے لیے حلال کی ہیں ان طیبات کو حرام اور ناجائز مت کرو۔

حرام و حلال کی حدود کا تعین : قرآن نے اس ضمن میں جو پانچواں اصول بیان کیا ہے، وہ دین کا بنیادی اصول ہے۔ وہ یہ ہے کہ مراسم عبودیت میں کچھ چیزیں اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دی ہیں اور ان کی تاکید

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فرما دی ہے' اس پر اضافہ صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے مثال دی تھی کہ آدمی چھٹی نماز کو لازم کرنا چاہے تو یہ گناہ کا کام ہو گا' حالانکہ نماز ادا کرنا اپنی جگہ خود نیکی کا کام ہے۔ اسی طرح دنیا کے معاملات میں اس نے کچھ چیزوں کو حرام قرار دیا ہے اور دیگر اشیا کے لیے کچھ اصول متعین فرما دیے ہیں' کہ ان کی روشنی میں معاملات طے کرو۔ اس کے بعد انسان کو اس نے آزاد چھوڑ دیا اور باقی سب چیزیں حلال کر دیں۔ اس نے یہ نہیں کہا کہ یہ جانور حلال ہے اور یہ حرام بلکہ اس نے کہا کہ یہ چار چیزیں حرام ہیں اور نبیؐ نے اس میں کچھ اضافہ فرما دیا۔ اس طرح سے اللہ نے حرام و حلال کا دائرہ متعین فرما دیا۔ اس سے یہ بات خود بخود واضح ہو گئی کہ باقی ہر چیز حلال ہے۔ اس کے بعد آدمی کا کام صرف یہ دیکھنا ہے کہ کیا چیز حرام ہے؟ اگر کسی چیز کی ممانعت نہیں ہے تو وہ جائز ہے۔ اس کے اندر کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ اس اصول سے زندگی کے مختلف شعبوں میں' مثلاً سیاسی' معاشی اور معاشرتی میدان میں' بہت وسعت پیدا ہو جاتی ہے جس پر ایک حقیقی فلاحی معاشرہ واقعتاً قائم ہو سکتا ہے۔

آج لوگوں کو اگر دین میں تنگی محسوس ہوتی ہے تو اس کی وجہ وہ خود ساختہ پابندیاں ہیں' جو لوگوں نے یہ سوچ کر اپنے اوپر عائد کر رکھی ہیں کہ یہ پابندیاں بھی دین ہیں۔ لوگ اس سے تنگی محسوس کرتے ہیں۔ اگر یہ اصول اپنا لیا جائے کہ وَلَا تَقُولُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ، (النحل ۱۶:۱۱۶) اور یہ جو تمھاری زبانیں جھوٹے احکام لگایا کرتی ہیں کہ یہ چیز حلال ہے اور وہ حرام' تو اس طرح کے حکم لگا کر اللہ پر جھوٹ نہ باندھو۔ یعنی جس عالم یا فقیہ نے یہ کہہ دیا کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام' اور آدمی اس کو مان لے کہ یہ حلال و حرام ہے' ایسا نہیں ہے۔ قرآن و سنت سے دلیل ہو تو تب ہی کوئی چیز حلال یا حرام ہو گی۔ قرآن و سنت میں اگر کوئی چیز حرام یا منع نہیں ہے تو کوئی آدمی اسے حرام ثابت نہیں کر سکتا۔ اس لیے اس سے روکنے کا کسی کو حق نہیں ہے اور وہ چیز دین میں حرام نہیں ہو سکتی۔ اس سے دین' اشاعت دین اور دینی تحریک کے نظام تربیت کے لیے ایک نہایت اہم اصول سامنے آتا ہے۔ جس پر عمل پیرا ہو کر تحریک میں وسعت پیدا ہو گی' دین میں تنگی کا تصور دور ہو گا اور لوگوں کو ساتھ لے کر چلنا آسان ہو گا۔

حقوق کی حیثیت کا تعین: ہر عمل کی ایک حیثیت ہوتی ہے۔ جس حیثیت میں جو عمل مطلوب ہو' اس کی تلافی کسی دوسری حیثیت کے عمل سے نہیں ہو سکتی۔ بحیثیت انسان' بندوں کے حقوق' یہ حقوق کی ایک قسم ہے' جب کہ اللہ کے حقوق' مثلاً نماز' روزہ' زکوٰۃ وغیرہ یہ بالکل دوسری قسم کے حقوق ہیں۔ نماز' روزہ اور زکوٰۃ ادا کرنے والا کوئی انسان' بندوں کے حقوق ادا نہ کرنے کے لیے بہانہ نہیں بنا سکتا۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ "کیونکہ میں نماز پڑھتا ہوں' اس لیے میں جھوٹ بولوں یا کسی کا حق ماروں' اس سے کوئی فرق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں پڑتا"۔ نماز کا مقام اپنی جگہ ہے، اس کا اجر اس کو ملے گا مگر دوسرے حقوق اپنی جگہ ہیں۔ باپ یا بیٹے کی حیثیت سے جو حقوق ہیں، ان کی تلافی نماز سے نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح بیوی کی حیثیت سے یا بحیثیت شوہر جو فرائض عائد ہوتے ہیں، ان کی تلافی بھی ذکر اور نماز سے نہیں ہو سکتی ہے۔ اور حکمران کی حیثیت سے جو فرائض ہیں، ان کی تلافی بھی نماز، روزہ یا خانہ کعبہ میں جا کر رونے دھونے سے نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حکمران کو یہ حکم دیا ہے کہ وہ عدل و انصاف کرے، لوگوں کے حقوق ادا کرے اور اللہ کی شریعت کا پابند ہو۔ اس کی تلافی کے لیے یہ عذر کرنا کہ وہ نماز پڑھتا ہے اور تہجد گزار ہے، قابل قبول عذر نہیں ہے۔ اللہ کے ہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں ہو گی۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ اس وقت ہماری بحث آخرت کے اجر و ثواب سے نہیں ہے۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ جس کو چاہے قبول کرلے، جس کو چاہے بخش دے اور جس عمل کو چاہے جہاں رکھے۔ البتہ معاشرہ اسی اصول کی بنیاد پر تعمیر ہو گا۔ اسی اصول کے تحت اقوام سے معاملہ کیا جائے گا اور پالیسیاں بنائی جائیں گی، کہ نیکی کیا ہے اور برائی کیا ہے اور کہاں کیا نیکی مطلوب ہے اور کیا نہیں؟ نماز، روزے اور زکوٰۃ جیسے اعمال کی تعریف کر کے انسان اپنی سماجی اور اجتماعی خرابیوں پر پردہ نہیں ڈال سکتا۔

اجتماعی تقویٰ کا تصور: امت نے انفرادی تقویٰ اور اجتماعی تقویٰ کے فرق کو بہت عرصے سے ضائع کر دیا ہے۔ بدقسمتی سے اس فرق کو کافر قوموں نے اپنے ہاں ملحوظ رکھا ہے۔ ان کے ہاں، انفرادی تقویٰ کوئی چیز نہیں ہے۔ کوئی آدمی شراب پیتا ہو یا زنا کرتا ہو، انفرادی تقویٰ میں اس بات کا ان کے ہاں کوئی مقام نہیں ہے۔ لیکن اجتماعی زندگی میں کوئی آدمی اگر جھوٹ بولے، کسی کا حق مارے تو وہ اسے ایک لمحے کے لیے بھی برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ وہ ایک منٹ کے لیے بھی اپنے منصب پر نہیں ٹھیر سکتا۔ وہ کسی فرد کے حق پر دست درازی کرے تو یہ بات اس کی تلافی کے لیے کافی نہیں ہو سکتی کہ یہ بڑا فیاض ہے، اس نے اپنا پیسہ چیریٹی (خدمت خلق کے کام) میں دیا ہے یا اس کی انفرادی زندگی بڑی پاکیزہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب اجتماعی زندگی، اجتماعی اخلاقیات (public morality) یا اجتماعی تقویٰ میں خرابی پیدا ہوتی ہے تو معاشرے میں بگاڑ پھیلتا ہے۔ یہی خرابی کی اصل بنیاد ہے۔

قرآن نے بھی اس کی تصریح بار بار کی ہے۔ مثلاً اجتماعی اخلاق و آداب کے حوالے سے وہ غزوہ تبوک کا ذکر کرتا ہے۔ اس موقع پر دنیا کی دو سب سے بڑی طاقتوں میں سے ایک یعنی روم سے مقابلہ تھا اور دعوت حق کے لیے زندگی اور موت کے فیصلے کی گھڑی تھی۔ یہ موقع عملاً ایمان اور نفاق کی کسوٹی بن گیا تھا۔ اس لیے ہر شخص کو جہاد پر نکلنے کا حکم دیا گیا اور بغیر اجازت کے پیچھے رہنے کی اجازت نہ تھی۔ اس موقع پر جن منافقین نے مختلف حیلے بہانوں سے اجازت مانگی یا جو لوگ بلااجازت پیچھے رہ گئے، ان پر قرآن کا تبصرہ تھا کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو لوگ رسول کے ساتھ کسی اجتماعی کام میں شریک ہوں، اگر وہ اس سے اجازت لیے بغیر چلے جائیں، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ اجتماعی اخلاق و آداب کی پابندی کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو نماز پڑھتے تھے، روزے رکھتے تھے، زکوٰۃ دیتے تھے اور صدقات و خیرات کرتے تھے، ان کے بارے میں قرآن مجید نے اجتماعی نظم و ضبط کی خلاف ورزی کرنے پر کہا کہ ایسے لوگ اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھنے والے نہیں ہیں۔ اِنَّمَا یَسْتَاْذِنُکَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (التوبۃ ۹: ۴۵) ایسی درخواستیں تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ اور روز آخر پر ایمان نہیں رکھتے۔

قرآن نے اجتماعی آداب و اخلاق اور انفرادی اعمال و اخلاق میں فرق کیا ہے۔ سورہ نور کے آخر میں قرآن نے اس بات کو دو مرتبہ دہرا کر واضح کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جہاں ایک طرف اس بات کی ضرورت نہیں سمجھی کہ قرآن مجید میں یہ تفصیل بیان کرے کہ نماز کی رکعات کتنی ہیں، بلکہ نماز کے اوقات کی تصریح بھی واضح طور پر نہیں کی، اس کے لیے اسوہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تاویل و تشریح کرنا پڑتی ہے وہاں دوسری طرف آیتوں کی آیتیں اور رکوع کے رکوع، نکاح اور طلاق، بیوی اور شوہر کے تعلقات، وراثت کے احکام اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک پر صرف کیے ہیں۔ یہ تمام احکامات اجتماعی تقویٰ اور اجتماعی اخلاق کے بارے میں ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ ج وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ لا وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ط وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ○ (المجادلۃ ۵۸: ۱۱) اے لوگو جو ایمان لائے ہو، جب تم سے کہا جائے کہ اپنی مجلسوں میں کشادگی پیدا کرو تو جگہ کشادہ کر دیا کرو، اللہ تمھیں کشادگی بخشے گا۔ اور جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو۔ تم میں سے جو لوگ ایمان رکھنے والے ہیں اور جن کو علم بخشا گیا ہے، اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا، اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔ یعنی یہ کام کرنے والے دراصل اہل علم اور اہل ایمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند کرے گا، اس لیے کہ یہ اجتماعی آداب کی پابندی کرتے ہیں۔

اگر اٹھنے، بیٹھنے کے اجتماعی تقویٰ کی اتنی اہمیت ہے تو آپ خود ہی دیکھ لیجیے کہ وہ تقویٰ جس کا تعلق انسانوں کے حقوق، خاندان، معاشرت، سیاست اور امور حکومت سے ہے، اس کا کیا مقام ہو گا۔ انفرادی اور اجتماعی تقویٰ کو ایک دوسرے کے بدل کے طور پر پیش کر کے انسان اپنے آپ کو دھوکے میں نہیں ڈال سکتا۔

ہمارے زوال کا اصل سبب یہی ہے کہ ہم اجتماعی تقویٰ کی اہمیت کم کرتے چلے گئے اور انفرادی تقویٰ کی اہمیت بڑھاتے چلے گئے۔ ٹخنوں سے اوپر پاجامہ، داڑھی کا چھوٹا بڑا ہونا اور ایسی ہی چند مختلف چیزیں تقویٰ کا معیار شمار ہونے لگیں۔ لیکن وہ چیزیں جو قرآن و حدیث کے مطابق تقویٰ ہیں، وہ پیچھے چلی گئیں۔ حکمران

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آتے رہے، ہم برداشت کرتے رہے۔ فساد پھیلتا رہا، ہم اس کو برداشت کرتے رہے۔ علماے سوء غلط کام کرتے رہے، ہم ان کی پیروی کرتے رہے۔ غلط قسم کے پیر آتے رہے، ہم ان کے پاؤں چومتے رہے۔ اس طرح سے ہم اجتماعی طور پر "اجتماعی تقویٰ" کی نعمت کھوتے چلے گئے۔ یوں ہماری اجتماعی قوت ختم ہوتی چلی گئی اور انجام کار ہم زوال کا شکار ہو گئے۔ آخرکار بیرونی قوتوں نے ہمارے اوپر غلبہ حاصل کر لیا۔ ہم اجتماعی تقویٰ سے دست بردار ہو کر انفرادی تقویٰ کے اندر مشغول ہو گئے۔ ماضی میں بہت سے اکابرین اور قوم کا درد رکھنے والوں نے اس غلط روش کی طرف توجہ دلائی اور اس کا رونا روتے رہے۔ اقبالؒ نے اپنے بے شمار اشعار میں اس طرف توجہ دلائی اور خواب غفلت کی شکار امت کو جھنجھوڑنے اور بیدار کرنے کی بھرپور کوشش کی۔

مولانا مودودیؒ نے بھی اس کی اہمیت کو محسوس کیا اور اپنی کتاب **تحریک اسلامی کی اخلاقی بنیادیں** پوری کی پوری اسی مسئلے کی توضیح میں لکھی۔ مگر بدقسمتی سے آج اس شخص سے تعلق رکھنے اور اس کتاب کو پڑھنے والے بھی اس چیز کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ "اجتماعی تقویٰ" دین اور اس تحریک کی بنیادوں میں سے ایک بنیاد ہے۔ اجتماعی تقویٰ کو جو مقام حاصل ہے وہ انفرادی تقویٰ کا نہیں ہے۔ خود مولانا مودودیؒ کا مشہور جملہ ہے کہ اس امت کے اندر تقویٰ کے لحاظ سے انتہائی اعلیٰ کردار کے لوگوں کی کبھی کمی نہیں رہی، لیکن جب تک اجتماعی تقویٰ نہ ہو اور متقی مل کر اجتماعی قوت نہ بنیں، اس وقت تک دین کا غلبہ نہیں ہو سکتا۔ یہ دین کے بنیادی اصولوں میں سے ایک اہم اصول ہے۔

اہم اور غیر اہم کا مسئلہ : دین کو پیش کرنے میں، اور نیکی اور بدی میں، اہم اور غیر اہم کا فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ آدمی اگر اہم چیزوں کو نظرانداز کر کے غیر اہم چیزوں پر زور دے گا تو وہ دین کے مزاج میں فساد اور انتشار پیدا کرے گا۔ اگر وہ معاشرے کو سامنے نہ رکھ کر دین کو پیش کرے گا تو اس صورت میں بھی معاشرے کے اندر فساد اور انتشار پیدا ہو گا۔

یہ دین کے وہ بنیادی اصول ہیں جن پر پورے دین کی عمارت قائم ہے۔ ان کی حیثیت اساس دین کی سی ہے۔ دین کی حکمت انھی اصولوں میں مضمر ہے۔ معاملات زندگی کا فیصلہ ان اصولوں اور ترجیحات کی روشنی میں کر کے، اللہ کی رضا اور صراط مستقیم پر چلا جا سکتا ہے۔

تحریک اسلامی کے لیے، مختلف حالات میں، کیا حکمت عملی ہو، معاملات کو کیسے چلایا جائے، کیا اہم اور غیر اہم ہو، مضبوط نظم، معیاری تربیت کیسے حاصل ہو، اور موثر فیصلے کیسے کیے جائیں، ان جیسے اہم مسائل کے حل کے لیے یہی وہ بنیادی اصول ہیں جن کی روشنی میں فریضہ اقامت دین موثر حکمت عملی کے ساتھ، بھرپور طریقے سے ادا کیا جا سکتا ہے۔

(تحریر کیسٹ کی مدد سے تیار کی گئی ہے۔ تدوین : سلیم منصور خالد)

© rasailojaraid.com